سلسلہ مطبوعات (۱)

طریقت شریعت اور سیاست

مولانا محمد الیاس دہلویؒ
مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرف اول

کیا اسلام دین کامل ہے؟ کیا اسلام زندگی کے تمام شعبوں میں انسانوں کی راہنمائی کرتا ہے؟ کیا شریعت طریقت اور سیاست تینوں دین کے شعبے ہیں؟ کیا پیغمبر اسلام ﷺ نے ان سبھی شعبوں میں امت کی راہنمائی فرمائی ہے؟ کیا ان میں سے کسی ایک شعبہ میں انفرادی یا اجتماعی محنت کر کے اور باقی حصوں کو ترک کر کے پورے دین پر عمل کیا جاسکتا ہے؟ کیا امت کے صائب الرائے علماء اور اکابر اس ضمن میں کوئی راہنمائی فرماتے ہیں؟ یہ اور اس قسم کے بہت سے دوسرے سوالات آج کے پڑھے لکھے نوجوان کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں اور وہ ان کا جواب چاہتا ہے چونکہ آج کے معروف مذہبی طبقہ کا مزاج یہ نہیں رہا کہ دور حاضر کے ان سوالات پر وقت خرچ کیا جائے۔ اس وجہ سے ایک طرف آج کا مذہبی ذوق رکھنے والا نوجوان بے شعوری میں باطل کے مذہبی "دانش وروں" خود ساختہ مجتہدوں اور نام نہاد مجددین کے ہتھے چڑھ کر دین کے حقیقی وارثوں (علماء ربانی) سے کٹ جاتا ہے یا مغربی الحاد اور دہریت کے سیلاب میں بہہ جاتا ہے۔ دوسری طرف مذہبی ذہن کے حامل بہت سے نوجوان انفرادی درجہ میں نماز روزہ کی پابندی کے ساتھ خود کو تعلیم اور روزگار کے میدان میں یکسو کر لیتے ہیں۔

زیر نظر کتابچہ میں اسی موضوع پر علماء حق میں سے دو انتہائی سرکردہ اور مستند اکابر کے ارشادات کو جمع کیا گیا ہے جو مذکورہ بالا سوالات اور ایسے بہت سے خدشات کا خوبصورت، فکر انگیز، مدلل اور مختصر مگر جامع جواب مہیا کرتے ہیں۔

بیسویں صدی کے آغاز میں اسلام کی تبلیغ و دعوت کے میدان کے سرخیل حضرت شاہ محمد الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، اپنے دور کے عظیم دینی ادارے کے مہتمم اور علماء حق میں انتہائی سربلند شخصیت، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ، کو اپنے تبلیغ و دعوت کے عظیم مشن کی کامیابی اور بہتری کے لئے شریک مشورہ فرماتے ہیں۔ ایک فکرمند اور روشن خیال مدبر کی حیثیت سے آپ یہ خواہش ظاہر فرماتے ہیں۔ کہ تبلیغ و دعوت کا یہ کام ایک ایسی جماعت کے مشورے اور نگرانی میں آگے بڑھنا چاہیئے جو مشائخ طریقت، علماء

شریعت اور ماہرین سیاست پر مشتمل ہو، کیوں نہ ہو! حضرت شاہ محمد الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت کا مقصد ہی اول درجے میں مسلمانوں کو علم دین کا شوق دلانا، ان کی باطنی و اخلاقی اصلاح کے لئے انہیں اہل اللہ سے جوڑنا اور امت کی سیاسی شوکت اور غلبہ کو ایک بار پھر حاصل کرنا تھا تا کہ ایک سربلند، ترقی یافتہ اور بااخلاق ملت میں ڈھل کر مسلمان تمام دنیا کے ایسے انسانوں کے لئے دعوت دین کا سبب بنیں جنھیں شرافت، انصاف اور انسانی بھائی چارہ سمیت تمام انسانی حقوق سے محروم کردیا گیا ہے اور ایسے تمام جابروں اور سرکشوں کو ناکام بنادیں جو (انسانوں کو انکے حقوق سے محروم کر کے) بندہ اور خدا کے درمیان ظلم کی دیوار کھڑی کر دیتے ہیں۔ حضرت دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جذبہ اور مقصد ہمیں آپ کے دیگر مکتوبات اور ملفوظات میں بھی بہت واضح نظر آتا ہے۔ چنانچہ اس عظیم کام کو شروع کرنے سے قبل آپ نے حضرت سیدنا و مولانا شیخ الہند محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پر بیعت جہاد فرمائی۔ جو اپنے دور میں شریعت حقہ کے امام اعظم طریقت و سلوک میں مرشد اولیاء اور میدان جہاد و سیاست کے عظیم ترین راہنما تھے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت شیخ الہندؒ سے نسبت طریقت کے ناطے شاگرد رشید ہیں۔ آپ بھی دور حاضر کے تمام انفرادی و اجتماعی معاملات میں اسلام ہی کو کامل نظام حیات اور پیغمبر آخر الزماں ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اس کا نمونہ قرار دیتے ہیں گو کہ آپ نے ساری عمر قرآن و حدیث اور فقہ و کلام کی تعلیم و تعلم اور وعظ و تربیت میں گزاری اور ہزاروں نہیں لاکھوں علم کے پیاسوں کو سیراب کیا۔ تاہم آپ تزکیۂ باطن اور اسلام کی سیاسی بالادستی کی جدوجہد کرنے والے اہل حق کی بھی بھرپور تائید فرماتے رہے اور پر حکمت بیانات و خطبات سے دین حق کی سچی تصویر کشی اور ذہن سازی کرتے رہے۔ دراصل امام شاہ ولی اللہؒ سے فیض حاصل کرنے والی جماعت علماء جس نے تعلیم شریعت اور روحانی تزکیہ حاصل کر کے امت مسلمہ کو دشمنوں کے نرغہ سے آزاد کرانے کی دانش مندانہ اور جرأت مندانہ حکمت عملی اختیار کی۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی جماعت کے فیض یافتہ تھے۔ آپ نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی تربیت یافتہ عالم دین مجاہد آزادی، امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ سے امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور حکیمانہ تصنیف حجۃ اللہ البالغہ سبقاً پڑھی تھی۔ یوں علمی اور باشعور مزاج رکھنے کی وجہ سے آپ دین کے مذکورہ بالا تینوں پہلوؤں کے بارہ میں ایک متوازن نکتہ نگاہ رکھتے تھے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کے اساتذہ اور مشائخ میں سے کوئی بھی دین اور سیاست کی علیحدگی یا تصوف کے جزو اسلام نہ ہونے کے مغربی پراپیگنڈے سے متاثر نہ تھا۔

دورِ حاضر کا سب سے بڑا فکری المیہ یہ ہے کہ تصوف اور سیاست کو اسلام سے الگ سمجھا جانے لگا ہے۔ آج کی مسلم حکومتوں نے ایسا طریقہ اختیار کیا ہے کہ انگریزی دور میں جھوٹے نبیوں سے جو کام نہیں ہوسکا تھا وہ فرنگی مقصد آج پورا ہوتا نظر آ رہا ہے دین کے بارے میں ابہام (کنفیوژن) پھیلایا جا رہا ہے۔ علماء اہل حق کو مسجد یا مکتب تک محدود قرار دے کر دین کے اجتماعی اور سیاسی احکام کو عملاً ترک کردیا گیا ہے ، یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں (کے دہریہ، عیسائی اور یہودی پروفیسروں) سے اسلام کی جعلی ڈگریاں لانے والے ڈاکٹروں کو مجتہد قرار دے کر ان سے اسلام کی من مانی تعبیر کرائی جارہی ہے۔ علماءِ دین کی ایک بڑی تعداد نماز، روزہ کے مسائل و فضائل کے محض انفرادی پہلوؤں کو کافی سمجھ کر اسی میں مگن ہے۔

جب کہ علماء سوء اور سیاسی مذہب کی نمائندہ جماعتیں یورپ، امریکہ اور ان کی سیاسی و معاشی غلامی اختیار کرنے والی آمر حکومتوں کے ہر جائز و ناجائز اقدام کو اسلام کی سند دینے پر کمربستہ ہیں۔ ایسے ہی بعض مغرب سے مرعوب دانش ور مفکر اسلام، مفسر قرآن کے لقب اختیار کر کے مغرب کی سرمایہ دارانہ معیشت ، سامراجی سیاست اور لامذہب و بے اخلاق معاشرت کو ترقی کا اعلیٰ نمونہ قرار دے رہے ہیں۔ دین کو سیاست سے جدا کر کے مسجد کو یورپ اور امریکہ کے گرجا گھروں کی طرح بے اثر اور بالآخر قابل فروخت بنادینا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ حال ہی میں صرف لندن کے گرجا گھروں کی ایک تنظیم کی طرف سے "ہزاروں گرجا گھروں کے برائے فروخت یا کرایہ کے لئے خالی ہے" کے اشتہار اخباروں وغیرہ میں شائع ہو چکے ہیں جنہیں شکل تبدیل کئے بغیر محض لائسنس حاصل کر کے جوئے بازی کا اڈہ، قحبہ خانہ یا ناچ گھر کے طور پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ بہت سے گرجا گھر بطور مندر، گوردوارہ، مسجد، نمائش گاہ یا دفتر وغیرہ کے طور پر استعمال کے لئے فروخت کیے جاچکے ہیں۔ اہل کلیسا نے نئی نسل کو متوجہ کرنے میں مکمل ناکامی کے بعد یہ راہ اختیار کی ہے۔ دراصل جس دین کو سیاسی قوت اور عادلانہ اجتماعی نظام سے محروم کردیا جائے وہ زمانے میں پست اور مایوس طبقات کا شعار رہ جاتا ہے۔ جبکہ ترقی اور کامیابی کے خواہاں باصلاحیت نوجوان اسکی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

آج دنیا بھر میں اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور انسانی حقوق کے اسلامی انقلاب کے تقاضے کو محسوس کیا جارہا ہے۔ ایرانی علماء کی کامیاب انقلابی جدوجہد کے بعد آج کا نوجوان کم از کم یہ خیال ترک کرنے پر آمادہ ہے کہ "مذہبی طبقہ انقلاب کی قیادت نہیں کرسکتا"۔ لیکن اس کے لئے علماء حق کو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے طرز پر آج کے دینی و سیاسی حالات کا مطالعہ کر کے دین کے تقاضوں کو شعوری

طور پر سمجھنا ہوگا۔ مسجد اور مکتب کی چار دیواری کو ضروری اہمیت دینے کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ کے ذریعے دنیا بھر کا اور عام انسانوں سے مل کر مقامی حالات کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ نیز مغرب کے صلیبی وصیہونی سامراج کی شعبدہ بازی پر خصوصی نظر رکھنی ہوگی اور اسلاف کے نقش قدم پر دین کی مجتہدانہ عالمی بصیرت کے ساتھ تمام انسانیت کی راہنمائی کا فریضہ ادا کرنا ہوگا۔ موجودہ دور میں دینی سربلندی کا حصول اہل مدرسہ وخانقاہ اور ماہرین سیاست کی مربوط جدوجہد سے ہی ممکن ہو سکے گا۔ اسکے برعکس استحصال، ظلم، سودخوری اور حرام کاری پر مبنی مغرب کے سرمایہ دارانہ اور سامراجی نظام کے تحت رہتے ہوئے اگر آج ہم اہل احسان وتصوف سے کٹ گئے یا دینی، شرعی علوم کے مراکز کی اہمیت کو کم کرنے لگے یا اہل کفر وطغیان کی دین دشمن اور انسانیت کش سیاست سے قوم کی آزادی کیلئے انبیاء علیہم السلام کی سنت کے مطابق جہاد حریت میں مصروف اہل حق سے لاتعلق ہو گئے یا انکی مخالفت کا وطیرہ اختیار کرلیا تو شیطانی سازشیں کامیاب ہوتی چلی جائیں گی اور امت مسلمہ کی گمراہی اور پستی کی رات طویل تر ہوتی چلی جائیگی۔ اعاذنا اللہ منہ۔ یہی حضرت بانی تبلیغی جماعت کی دعوت کی روح ہے۔ اور یہی حضرت مہتمم دارالعلوم کے فرمودات کا خلاصہ۔

قارئین حضرت شاہ محمد الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے گرامی نامہ کو متن کی حیثیت سے پڑھیں اور حضرت قاری صاحب کی تقریر کو اسکی تشریح کے طور پر (یہ تقریر آپ نے 1975ء اپنے دورہ پاکستان کے موقع پر صوبہ سندھ کے شہر "ڈگری" ضلع تھرپارکر میں فرمائی تھی (جس کو ہفت روزہ اسلام لاہور نے ۲۳ مئی ۱۹۷۵ء کے شمارہ میں شائع کیا)۔ آخر میں حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہی ایک اور ملفوظ (از خطبات حکیم الاسلام حصہ چہارم) بطور نتیجہ ملاحظہ فرمائیں تو موضوع کسی طرح بھی تشنہ نہ رہے گا۔

اکابر کے ان ارشادات کو عام فہم بنانے کیلئے نیچے حاشیہ میں مشکل الفاظ کے معانی شامل کئے گئے ہیں۔ امید ہے کہ علماء حق، اہل فکر ودانش اور طلبہ کرام اس کوشش کو پسند فرمائیں گے۔ تاہم اسمیں کسی سہو یا غلطی کی نشاندہی اور بہتری کی تجاویز پر ہم شکر گزار ہونگے۔

احقر العباد نفیس العزیز

۷ ذی قعدہ ۱۴۰۷ھ بمطابق ۴ جولائی ۱۹۸۷ء لاہور

(نظر ثانی) یکم شعبان المعظم ۱۴۲۲ھ بمطابق ۱۴ اکتوبر ۲۰۰۱ء

از نظام الدین دہلی

مکرم و محترم الحافظ مولانا القاری محمد طیب صاحب متعنا اللہ بطول حیاتکم و افاض علینا فیوضکم السر مدیۃ و اکرمکم اللہ کما اکرمتمونا بالذات القدسیۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

حضرت عالی! کوئی کام بغیر اصول اور بناء (۱) کے نہیں چلتا، اس وقت یہ تبلیغ اس قدر عظیم الشان کام ہونے کو پہنچ گیا ہے کہ تفصیلات ظاہریہ و باطنیہ و اصولیہ و فروعیہ اس قدر کثیر اور وافر ہیں کہ وہ بیان تحریر یا غور کر کے فہم کے احاطہ سے بالاتر ہو چکی ہیں۔ اور جیسا کہ میں شروع میں عرض کر چکا ہوں، یہ سب تفصیلات بہر حال بناؤں پر چل رہی ہیں۔ اور ان بنائی (۲) امور پر کسی آدمی کو دفعتاً چلانا بہت دشوار ہے۔ اس لئے میرے نزدیک جو کام چلنے کیلئے اس وقت ضرورت ہے وہ مشائخ طریقت و علمائے شریعت، ماہرین سیاست (۳) کے چند ایسے حضرات کی جماعت کے مشاورت کے ماتحت ہونے کی ضرورت ہے ایک نظم کے

(۱) بنیاد۔ (۲)۔ بنیادی (۳) انہی اصطلاحات کی وضاحت اگلے صفحات میں کی گئی ہے۔

ساتھ حسب ضرورت مشاورت کا انعقاد خاطر خواہ مداوم رہے(۱) اور عملی چیز سب اس کے ماتحت ہو، سوایک تو اول ایسی مجلس کے منعقد ہو جانے کی ضرورت ہے اور دوسرے اس وقت جوامت محمدیہ کے امراض کہنہ میں سے ہے وہ عملی چیزوں کا بے محل اور بے ضرورت تقریر کی کثرت پر اکتفا ہے اور اس کے مقابل قول پر عمل بڑھانے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا آگے جو تبلیغ میں کوشش کرے وہ اس تبلیغ کے میدان میں نکل چکنے والوں کے ساتھ زندگی گزارے۔

اس وقت مولانا کی تشریف آوری سے دہلی والوں نے تبلیغ والوں سے وحشت کی بجائے انس کا اثر لیا ہے۔ اور کار خیر سے انس پیدا ہو جانے کی ابتداء بہت اچھی علامت ہے اس لئے اگر جناب عالی جملہ مبلغین کو میوات بھیج دیں اور کم از کم مولوی عبدالجبار کو بھیج دیں تو امر ثانی کیلئے معین ومد معلوم ہوتا ہے۔

(بحوالہ مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاسؒ مرتبہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

شائع کردہ۔ مکتبہ دینیات بیرون تبلیغی مرکز رائے ونڈ ضلع لاہور

---

(۱)۔ضرورت کے مطابق جاری وساری رہے۔

شریعت، طریقت اور سیاست

خطاب حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب نور اللہ مرقدہ

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم ایته ویزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین (سورة الجمعة:۲)

(ترجمہ: "وہ ذات جس نے بھیجا ان پڑھ لوگوں میں ایک رسول ﷺ ان ہی میں سے، پڑھتا ہے ان پر اس کی آیات اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔ اگر چہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے")

حضرات! اس آیت میں تلاوت آیات کا ذکر فرما کر اس کی معنویت کے تین مقام ذکر فرمائے گئے ہیں جس سے امت کی اصلاحی سکیم (۱) کے تین بنیادی اصول پیدا ہوتے ہیں۔ اول "مسئلہ تعلیم" جس کے معنی تمام احکام کو پیش کر دینے اور سکھلا دینے کے ہیں کہ جس پر امت کے علم و فکر کی تکمیل اور ترقی موقوف ہے۔ دوسرے "مسئلہ تزکیہ (۲) یا تہذیب الاخلاق (۳)" جس کے معنی دلوں کی کلیں درست کر دینے کے ہیں کہ ایسی تمام باطنی کیفیات و مقامات کو سامنے لانا جس پر قلوب کی استقامت موقوف ہے۔ تیسرے "مسئلہ تلقین حکمت" جسکے معنی ایک تفسیر کے مطابق شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی مجموعی زندگی "اسوۂ حسنہ" امت کے سامنے لے آنے کے ہیں جسکے مجموعہ پر امت کی زندگی کی تنظیم موقوف ہے پس قرآن کے اصلاحی پروگرام کے تین بنیادی اصول ہو گئے۔ تعلیم احکام، تہذیب اخلاق، تنظیم اعمال۔

عرف عام میں اول یعنی تعلیم کا لقب "شریعت" ہے۔ دوسرے تہذیبِ اخلاق کا "طریقت" تیسرے تنظیم اعمال کا نام "سیاست" ہے۔ یہ دین کے موالید ثلاثہ (۴) ہیں جس سے دینی کائنات مرکب ہے۔ اسلام میں ان تینوں کے بغیر چارہ کار نہیں اور نہ ایک دوسرے کے بغیر انکی

(۱)۔ درستی احوال کا منصوبہ، (۲)۔ روحانی اصلاح (۳)۔ اخلاق سنوارنا (۴)۔ تین بنیادی عناصر

تکمیل ہو سکتی ہے۔شریعت سے راہ معلوم ہوتی ہے اگر یہ راستہ ہی سامنے نہ ہو تو قطع مسافت (۱) کیسے ممکن ہے؟۔طریقت سے راہ پر چلنے کی اخلاقی قوت پیدا ہوتی ہے اگر رہروی کی طاقت نہ ہو تو محض راہ کی استقامت (۲) سے کیا ہوتا ہے؟اور سیاست سے راہ کے روڑے صاف ہوتے ہیں اگر راستہ پرخار (۳) اور سنگِ راہ (۴) سے لبریز ہو تو طاقت بھی کیا کام دے سکتی ہے؟اگر پھر بھی کام لیا جائے تو ساری طاقت راستہ پر ہی صرف ہو کر رہ جائیگی ۔منزل مقصود تک رسائی ہی مشکل ہو جائیگی ۔پس شریعت "راہ" ہے۔طریقت "قوت رہروی" (۵) ہے۔اور سیاست "تصفیہ راہ" (۶) ہے۔

قوت ہمیشہ مخفی چیز ہوتی ہے ۔راستہ ہمیشہ نمایاں ہوتا ہے اور راستہ کی صفائی کا کام نمایاں ہی نہیں بلکہ کافی شور و شغب بھی لئے ہوتا ہے اس لئے قدرتی چیز ہے کہ طریقت اور تصوف کی بنیاد یکسوئی اور انفرادیت پر ہو۔چنانچہ وہ اپنے مبانی (۷) واصول اور معانی و فروع (۸) کے لحاظ سے انسان کو طبعاً تخلی وخلوت (۹) اور یکسوئی کی طرف کشاں کشاں لے آتی ہے۔صوفی بحیثیت ایک صوفی کے ساری دنیا سے الگ تھلگ اور یکسو ہو جاتا ہے۔ اسے صرف اپنی ذات کی صلاح و فلاح پیش نظر ہوتی ہے وہ دوسروں سے ملتا بھی ہے تو انہیں بھی اپنا ہم مذاق (۱۰) بنا کر مخلوق سے منقطع (۱۱) کر دیتا ہے۔بہر حال خلوت پسندی سے اسے کوئی طاقت نہیں ہٹا سکتی جب تک اس پر طریقت کا غلبہ ہو۔

لیکن شریعت کی بنیاد تعلقات کی کثرت اور اداءِ حقوق پر ہے۔ہدایت وارشاد (۱۲) کی خاطر مخلوق میں گھسنا،ان کی اڑی کڑی (۱۳) جھیلنا اور لگی آگ میں جلتے ہوؤں کو نکالنا شریعت میں ضروری ہے۔طریقت میں جس مخلوق سے کنارہ کشی کی جاتی ہے۔شریعت میں اسی مخلوق سے رابطہ جوڑا جاتا ہے وہاں "فرار عن الخلق" (۱۴) ہے اور یہاں "ذهاب الی الخلق" (۱۵) پس ایک متشرع جس پر تشریع کا غلبہ (۱۶) ہو۔بحیثیت ایک شرعی فرد کے سارے انسانوں کی طرف دوڑ کر انکی اصلاح کی فکر میں رہے گا اسے درد

(۱)۔سفر طے کر (۲)۔راستہ کے سیدھے ہونے (۳)۔کانٹوں (۴)۔پتھروں سے بھرا (۵) چلنے کی طاقت (۶)۔راستے کو صاف کرنا (۷)۔بنیادوں (۸)۔تفصیلات (۹)۔گوشہ نشینی اور تنہائی (۱۰) اپنے جیسا (۱۱)۔الگ تھلگ (۱۲)۔راہنمائی (۱۳)۔ ناگوار (۱۴)۔مخلوق سے فرار اختیار کر؛ (۱۵)۔لوگوں میں گھل مل کر رہنا (۱۶)۔شریعت پر مضبوطی سے عمل کرنے کی لگن

ہوگا اپنے گھر کا، اپنے قبیلے کا، پھر شہر کی عام برادری کا اور پھر ساری دنیا کے انسانوں کا، پس اس جلوت پسندی (۱) سے اسے کوئی طاقت ہٹا نہیں سکتی جب تک اس پر شرعی رنگ کا غلبہ ہوگا۔

اِدھر سیاست کے دائرہ میں تعلقات کی نوعیت اور بھی زیادہ شدید و مدید و ہمہ گیر (۲) ہو جاتی ہے وہاں شریعت کی رو سے تو آدمی اپنے نفس سے نکل کر عباد (۳) تک آیا تھا۔ اور یہاں سیاست میں عباد سے نکل کر بلاد (۴) تک اور بلاد ہی نہیں، صحرا و جبال، زمینوں اور انکی پیداوار، اور دریاؤں اور انکے بہاؤ، حیوانات اور انکے منافع غرضیکہ ساری کائنات کے اجزاء اور ان کی تنظیم تک ایک سیاسی (انسان) کو بڑھنا پڑتا ہے۔ وہاں ایصال حقوق الگ ہیں اور دفاع مظالم الگ، حدود و تعزیرات الگ ہیں اور جہاد و جان بازی الگ، احرازِ غنائم (۵) الگ ہیں۔ اور اسارۂ محاربین (۶) الگ، غرض کہ ایک شوکت کو توڑنا اور ایک کا جھنڈا بلند کرنا، مفسدوں کو دبانا اور مصلحوں کو سر بلند کرنا، مبطلوں (۷) کا زور توڑنا اور حق والوں کو مدد دینا۔ خلاصہ یہ کہ مادی اور روحانی قوتوں سے طرح طرح کے انقلابات (برپا) کر کے سلطنتوں کو الٹ پلٹ کرنا اور نئے نئے نظاموں کی بنیادیں ڈال کر سارے عالم پر ایک شوکت (۸) قائم کرنا ایک سیاسی (مزاج) کا کام ہے۔ ظاہر ہے اس میں یکسوئی اور خلوت کہاں، یہاں تو عباد سے گذر کر بلاد، انسانوں سے گذر کر حیوانات، حیوانات سے گذر کر نباتات اور سب سے گذر کر ایک ایک چپہ زمین کے لئے اسی نفس کی ساعتیں (۹) صرف کی جاتی ہیں، جس کی ایک ایک چیز طریقت میں محض یکسوئی اور شریعت میں ایک خاص دائرۂ تعلقات میں محدود تھی۔

اسلئے طریقت "خلوتِ محض" (۱۰) ہے اور سیاست "جلوتِ محض" (۱۱) اور شریعت دونوں کے درمیان ایک "برزخ" ہے جو ان دونوں کو ملا کر "خلوت در انجمن" (۱۲) پیدا کر دیتی ہے۔ اس سے خود واضح ہوتا ہے کہ شریعت کا "خلوت در انجمن" میں آنا جب ہی ممکن ہے کہ اس کے دائیں بازو پر خلوت کا مخزن (۱۳) "طریقت" ہو اور بائیں بازو پر انجمن کا منبع (۱۴) "سیاست" ورنہ "خلوت در انجمن" اور "دل بیار دست بکارے" (۱۵) کا وجود ہی نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ اس حالت میں ان تینوں عنصروں کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے تو انکے باہمی امتزاج (۱۶) کے مخلوط منافع (۱۷) منقطع ہو کر ایک مخصوص مضرت

---

(۱)۔ سماجی زندگی (۲)۔ گہری، پھیلی ہوئی اور ہمہ جہتی (۳)۔ بندگان خدا (۴)۔ آبادیوں (۵)۔ مال غنیمت جمع کرنا (۶)۔ فسادیوں کو گرفتار کرنا (۷)۔ باطل قوتوں (۸)۔ دبدبہ (۹)۔ گھڑیاں (۱۰)۔ مکمل تنہائی (۱۱)۔ کامل اظہار (۱۲)۔ محفل میں موجودگی کے باوجود یکسوئی (۱۳)۔ خزانہ (۱۴)۔ سرچشمہ (۱۵) دل یار کے ساتھ اور ہاتھ یعنی اعضاء کام میں مصروف (۱۶)۔ طلاپ (۱۷)۔ ملے جلے فوائد

(۱)سر پڑ جائیگی۔

اگر طریقت محض رہ جائے جس میں شریعت اور سیاست نہ ہو تو وہ وحشت اور خجالتِ محض (۲) ہے۔ اور اگر شریعتِ محض ہو جس کے ساتھ طریقت اور سیاست نہ ہو تو وہ شدت و جمودِ محض (۳) ہے۔ اگر سیاست کے ساتھ طریقت و شریعت نہ ہو تو وہ نخوت و تجبر (۴) محض ہے اور ظاہر ہے کہ یہ تینوں صفات منفرداً کمال (۵) نہیں ہیں اس لئے ان میں سے ہر ایک دوسرے کا بدرقہ (۶) اور مصلح (۷) ہے۔ اور اس لئے "دین" نے ان سب کو جمع کر کے اپنا نام "دین" رکھا ہے جیسا کہ حدیث جبریل سے واضح ہے (کہ اس میں اسلام ایمان، احسان وغیرہ کو دین قرار دیا گیا)۔ پس طریقت کی وحشت (۸) کا مصلح شریعت اور سیاست ہے جن کی بنیاد تعلقات کی کثرت اور اجتماعیت پر ہے۔ شریعت کے جمود کا مصلح طریقت ہے جس سے قلب میں رافت و لینت (۹) پیدا ہو کر جمود و تشدد زائل ہوتا ہے۔ سیاست کی نخوت و تحکم (۱۰) کا مصلح شریعت و طریقت ہے جن کی آمیزش سے شفقت علی الخلق (۱۱) اور تربیت عالم (۱۲) کا ظہور ہوتا ہے اور خلافت الٰہی (۱۳) نمایاں ہو کر نفسانی جبر و قہر فنا ہو جاتا ہے پھر شریعت و طریقت کی کسمپرسی و بے بسی کا مصلح سیاست ہے جس کی مادی شوکت ان دونوں کے لئے سرمایۂ عظمت و حفاظت بنتی ہے۔

پس جب ایک طرف طریقت اور تہذیب الاخلاق کے ذریعہ نفس میں عدالت پیدا ہو گئی اور شریعت کے ذریعہ علم احکام اور تعلیم خیر کا جذبۂ شفقت قائم ہو گیا اور سیاست و قوت کے ذریعہ اس علم اخلاق اور حسنِ اخلاق کے تنفیذ (۱۴) کی قدرت پیدا ہو گئی تو اب سیاست میں سے ہو تو نخوت و کبر نکل کر وقار د خودداری اور شہامت (۱۵) آ جائیگی۔ طریقت میں سے رسم خلوت نکل کر حقیقت خلوت لئے تعلق مع اللہ اور انقیاد احکام (۱۶) کا ملکہ پیدا ہو جائیگا اور ادھر اتباع شریعت میں سے خشکی، جمود و تنگ نظری و تقشف (۱۷) نکل کر وسعت نظر، جامعیت، ہمہ گیری، تعاون باہمی اور اتحاد ذات البین (۱۸) کے جذبات ابھر آئیں گے جس سے قوم کے مادی و روحانی عروج کا نقشہ خود بخود قائم ہو جائیگا جس کے مجموعہ کو دین کہتے ہیں۔ اس سے

---

(۱)۔ نقصان (۲)۔ مردم بیزاری و شرمندگی (۳)۔ یعنی بنیاد پرستی (۴)۔ غرور تکبر اور سامراجیت (۵)۔ علیحدہ علیحدہ خوبی (۶)۔ سہارا (۷)۔ اصلاح کرنے والا (۸)۔ بیزاری (۹)۔ مہربانی، نرمی (۱۰)۔ غرور، تسلط (۱۱) مخلوق خدا پر مہربانی (۱۲)۔ انسانیت (۱۳)۔ صفات خداوندی کی نمائندگی (۱۴)۔ نافذ کرنا (۱۵)۔ بہادری (۱۶)۔ احکام کی پابندی کرنا (۱۷)۔ تنگی و خشک مزاجی (۱۸)۔ بکھرے ہوؤں کو جمع کرنا

اندازہ ہو جاتا ہے کہ دین بغیر ان تینوں عنصروں کے جمع کئے ہوئے مکمل نہیں ہوتا اور خدام دین اس وقت تک صحیح معنی میں خدمت دین نہیں کر سکتے جب تک وہ بیک دم (۱) متشرع، صوفی اور سیاسی نہ ہوں۔

افسوس ہے کہ آج یہ تینوں چیزیں الگ الگ مستقل شمار کی جا رہی ہیں اور ان کے حامل الگ الگ مستقل طبقات گنے جا رہے ہیں اور طریقت شریعت اور سیاست کو الگ الگ مستقل منہاج (۲) سمجھ لیا گیا ہے۔ اور نہ صرف اسی پر اکتفا کیا گیا ہے بلکہ صوفیاء اپنے تصوف کی تکمیل اس میں سمجھتے ہیں کہ وہ علماء کے مدمقابل آئیں، علماء (اپنے علم کی گہرائی اس میں سمجھتے ہیں کہ وہ) صوفیوں کے مقابلہ پر ہوں اور سیاسی (لوگ اپنی سیاست کی ترویج اس میں سمجھتے ہیں کہ وہ) ان دونوں طبقوں کے بالمقابل کھڑے ہوئے ہوں اور یہ دونوں طبقے (یعنی صوفیاء و علماء) سیاسیوں (سیاسی دانشوروں) کے مقابلے میں ہوں۔ اس لئے قوم (امت مسلمہ) میں مستقل تین طبقے قائم ہیں اور وہ بجائے اس کے کہ مل کر کسی ایسی طاقت کے بالمقابل آئیں جس نے ان کا علم بھی غلط (۳) کر رکھا ہے اور عمل کا راستہ بھی غلط ڈال دیا ہے۔ اپنی اپنی طاقتیں اپنی ہی آویزشوں (۴) میں ختم کر دیتے ہیں جس سے تفرقہ انداز طاقت اور زیادہ قوی اور دلیر ہوتی جاتی ہے میرے خیال میں جب تک یہ تینوں طبقے مل نہ جائیں اور نہ صرف افراد ہی مل جائیں بلکہ ان کے یہ تینوں فنون اس طرح باہم آمیختہ (۵) نہ ہو جائیں کہ قوم کا ہر فرد متشرع خالص، صوفی صافی اور سیاسی (باشعور) مخلص ہو جائے اس وقت تک قوم بحیثیتِ مجموعی مکمل قوم ہی نہیں کہلا سکتی اور اسلامی نقطۂ نظر سے کامیابی کا منہ بھی نہیں دیکھ سکتی۔

اسلام میں دین سیاست سے الگ نہیں وجہ یہ ہے کہ ان میں سے دو جزو علم احکام (۶) اور حسن اخلاق، دیانت کے اساسی شعبے ہیں اور ایک جز و کمال نظم (۷) و اجتماعیت سیاست کا شعبہ ہے اور سیاست کو دیانت سے جب بھی علیحدہ کیا جائے گا، تب نہ حقیقی سیاست قائم رہے گی نہ حقیقی دیانت۔ اگر دیانت نہ رہے تو سیاست کٹ کھنا (۸) اور جور و استبداد کا ملک (۹) ہوگا اور اگر سیاست نہ رہے تو دیانت بے کس و بے بس اور علی شرف الزوال (۱۰) ہو جائے گی۔ قانون محض اور کوری سیاست سے دنیا کبھی امن و چین کا منہ نہیں

(۱)۔ بیک وقت (۲)۔ راستہ (۳)۔ بے مقصد (۴)۔ لڑائیوں (۵)۔ یکجان (۶)۔ سماجی و انفرادی زندگی کے قوانین کا علم (۷)۔ ڈسپلن (۸)۔ ظلم و ستم (۹)۔ راج (۱۰)۔ پستی کا شکار

دیکھ سکتی اور نہ ہی عالم بشریت کی اصلاح و تنظیم ہو سکتی ہے۔

اگر ایسا ہو سکتا تو آج یورپ سب سے زیادہ صالح سب سے زیادہ باہم مربوط اور ساری دنیا سے زیادہ پر امن ہوتا کیونکہ وہاں قوانین سیاست کی دفعات برساتی کیڑوں کی طرح ہر گز کم نہیں کتنی ہی قانون ساز جماعتیں بارہ مہینے وضع قانون میں مصروف رہتی ہیں۔ نئی نئی ضروریات پر روزانہ قانون بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں۔ لیکن جس حد تک سیاسی ضوابط بڑھتے جاتے ہیں اسی درجے باہمی روابط گھٹتے جاتے ہیں۔ رقابتوں اور عداوتوں میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ انسانوں کی درندگی اور ہوس ناکی قانون کے دائرے میں رہ کر قانونی غارت گریاں اور آئینی ظلم و ستم خوب خوب سیکھتے جا رہے ہیں اور یورپ کی ساری دنیا قتل و غارت اور ہوا و ہوس کا ایک جہنم زار بنی ہوئی ہے پس اگر محض سیاست اور روکھے قانون سے بشریت کی اصلاح و تنظیم ممکن ہو سکتی تو یورپ کو یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا اس لئے کہ وہاں نہ سیاست کی کمی ہے نہ قوانین کی۔ ہاں اگر کمی ہے تو دیانت کی ہے۔ یعنی وہاں سیاست کے نیچے نہ اخلاقِ ربانی ہیں نہ مقاصدِ الٰہیہ کا علم ہے اور نہ انکا نمونۂ عمل، اور جب سیاست کا محور ہی صحیح نہ ہو تو کوری سیاست اور خالی قانونی اتار چڑھاؤ سے امن نفوس (۱) اور سکون عالم کیسے نصیب ہو سکتا ہے؟۔ بس آج کی یورپین تباہ کاریاں، عالم گیر سر پھٹول اور انسانیت کی یہ تباہی اور خواری فقدانِ سیاست سے نہیں بلکہ فقدانِ دیانت کے سبب ہے۔

جب آدمی ایک بے شعور درندہ بن جائے تو محض سیاست اس کے دل و دماغ کو تبدیل نہیں کر سکتی۔ یہ انقلابِ ذہنیت صرف تہذیب اخلاق اور تعلیم کتاب اللہ سے ممکن ہے جو مجموعۂ دیانت ہے۔ دیانت بلا سیاست اور علم و اخلاص بلا شوکت بے بس، بے کس اور عام نگاہوں میں بے وقعت ہو جانے کے سبب قبول عام اختیار نہیں کر سکتے اور نہ صرف یہ بلکہ اس ضعف آور (۲) صورت حال کے بڑھ جانے سے ان کی تحقیر و استہزاء اور تمسخر (۳) کی داغ بیل پڑتی ہے جس سے شوکت پرست (۴) طبقے میں ان کی حقارت ایک مشن اور مقصد کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ فساق و فجور طبیعتیں (۵) جو شوکتِ دین سے دبی رہتی ہیں۔ اس حالت میں کھل کھیلتی ہیں اور اس استہزاء اور تمسخر کی سنت (۶) کو اور مضبوط بنا دیتی ہیں ساتھ

---

(۱)۔ انفرادی امن (۲)۔ کمزوری لانے والی (۳)۔ کمتر جاننے ٹھٹھا اور مذاق اڑائے (۴)۔ طاقت (۵)۔ گناہ کی عادی

(۶)۔ عادت کے پجاری

ہی ساتھ وہ طبقہ جو گو فسق و فجور کا شکار نہ ہو مگر تقوی و تقدس (۱) کی طرف بھی کوئی خاص میلان نہ رکھتا ہو وہ بھی فجور کا غلبہ و استیلاء (۲) دیکھ کر ادھر ہی مائل ہو جاتا ہے پھر وہ خالص حقانی طبقہ جو علم و اخلاص کا سرمایہ لیے رہتا ہے بے کس، بے بس رہ جاتا ہے۔ جن میں سے ضعفاء قلوب (۳) اس بے کسی کی مصیبت سے تنگ آ کر بالآخر ادھر ہی جا ملتے ہیں اور اسی طرح رفتہ رفتہ یہ دیانت بے سیاست اپنا وجود ختم کر دیتی ہے، غلامی اور محکومی کے منحوس آثار رفعت و شوکت (۴) کے سارے جذبات ختم کر کے خود ہی بلا شرکتِ غیرے غالب آ جاتے ہیں اور پھر ہر طاقتور کمزور کو کچل دیتا ہے اور وہ خود اپنے زیادہ کے ہاتھوں کچلا جاتا ہے۔ ظالم مظلوم کو ختم کر دیتا ہے اور وہ اپنے سے زیادہ ظالم کے ہاتھوں فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے۔

"خسر الدنیا و الآخرۃ" (دنیا و آخرت میں ناکام ٹھہرا)

اسلئے یہ نتیجہ صاف ہے کہ جب تک دیانت کے ساتھ سیاسی طاقت اور سیاست کے ساتھ علم و اخلاق کی دیانت نہ ہو دنیا کبھی امن و چین کا سانس نہیں لے سکتی اس لئے اسلام نے دین کی رہبانیت کو ختم کر کے اس کے ساتھ سلطنت ملائی اور سلطنت کی ملوکیت کو ختم کر کے اس کو خلافت کا جامہ پہنایا جس سے دیانت و سیاست کا حکیمانہ امتزاج قائم ہوا کہ دیانت کی بے مونی (۵) سیاست سے ختم ہوئی اور سیاست کا جور و استبداد دیانت سے پامال ہو گیا۔ چنانچہ اسی جامعیت کی طرف (احادیث نبویہ میں) کھلے اشارے فرمائے گئے (مثلاً)۔

الملک و الدین تو امان. (حدیث) ملک اور دین دو جڑواں بھائی (کی طرح) ہیں۔

بعثت مرحمۃ و ملحمۃ. (حدیث) میں نرم اور سخت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

انا الضحوک القتال. (حدیث) میں ہنس مکھ جنگجو ہوں۔

(بشکریہ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور، ۲۳ مئی ۱۹۷۵ء)

---

(۱)۔ پاکبازی (۲)۔ تسلط (۳)۔ کمزور دل (۴)۔ بلندی و دبدبہ (۵)۔ بیگانگی

آخر جب ہم اسلام کے حق میں ایک عالم گیر دین کے مدعی ہیں تو اس ہمہ گیری کے معانی اس کے انہی اصولوں کی ہمہ گیری کے تو ہیں اگر وہ تنگ اور جامد ہوتے تو اسلام عالم گیر تو کیا عرب گیر بھی نہ ہوسکتا لیکن جب انہی اصولوں پر صدیوں ہمہ گیر حکومتیں بھی چلیں اور انہی اصولوں سے تربیت پا کر قوم میں عظیم عظیم شخصیتیں بھی ابھریں، جنھوں نے مشرق و مغرب کو بھی روشنی دکھائی اور ظلمتوں کی تنگنائیوں میں پھنسی ہوئی قوموں، نسلوں اور وطنوں کو انکی مصنوعی حد بندیوں سے نکال کر انسانیت کے وسیع میدانوں میں پہنچایا تو کیا یہ اصول کی تنگیوں سے ممکن تھا؟ اس لئے فطری اصول اور فطرت کی پابندی کو قید و بند اور تنگی سمجھا جانا ذہنوں کی تنگی کی علامت تو ہوسکتا ہے۔ فطرت کی تنگی نہیں کہلایا جا سکتا۔ بالخصوص جب کہ ان اصولوں کی وسعتوں میں ایسی گنجائش بھی رکھی گئی ہے کہ ان میں سے ہر دور کے مفکر اور اہل علم و فضل نے استخراج مسائل کی حد تک بھی کام لیا ہے اور آج بھی لے سکتے ہیں۔ جن میں ہر دور کے حوادث کے لئے ہدایت کا سامان موجود ہے۔

اس لئے تمدن و معاشرت کی مشخص عملی جزئیات اور سنن زائدہ پر اس قانون فطرت نے زیادہ زور نہیں دیا بلکہ اس کو وقت اور زمانے کے حوالے کر دیا ہے ہر زمانے میں جو نئی نئی صورتیں بدلتی رہتی ہیں انہیں اہل علم انکے اصول سے وابستہ کر کے ان کے احکام سے نکال سکتے ہیں جیسا کہ مفکران باب فتوی (۱) کا اسوہ اس بارے میں سامنے ہے ....بالخصوص مسائل کے طرز استدلال کے بارے میں تو خاص طور پر ہر

(۱)۔ فتویٰ دینے والوں

قرنِ جدید(۱) کے نئے رنگ پیدا ہوتے رہے ہیں — ایک دور میں نظری فلسفہ(۲) نے رنگ جمایا اور دین کے بارے میں محض نقل وروایت لوگوں کے لئے تسلی بخش نہ رہی جب تک وہ عقلی چولے میں نہ آئے تو رازیؒ اور غزالیؒ جیسے حکمائے ملت نے دین فلسفیانہ انداز میں پیش کر کے لوگوں پر حجت تمام کی(۳)۔ایک دور میں تصوف اور حقائق پسندی کا غلبہ ہوا تو ابن عربیؒ وغیرہ نے صوفیانہ اور عارفانہ انداز سے اسلام کو نمایاں کیا۔ایک دور میں معاشی فلسفہ کا زور ہوا تو شاہ ولی اللہؒ جیسے حکیم امت نے نظری ومعاشی رنگ کے فلسفیانہ انداز سے اسلام کو سمجھایا اور وقت کے مسائل حل کئے۔ایک دور سائنسی اور مشاہداتی فلسفے کا آیا تو بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے محقق اور عارف باللہ نے اسلامی عقائد واصول کو شواہداتی رنگ میں حسی شواہد و نظائر پیش کر کے اتمام حجت فرمادیا جس سے ایک طرف اسلام کی ہمہ گیریت اور جامعیت واضح ہوئی تو دوسری طرف اس کا توسع کھلا اور اس کے رنگِ استدلال کی یہ لچک بھی واضح ہوئی کہ اس کے حقائق پر ہمہ نوع(۴) دلائل کا لباس سج جاتا ہے اور وہ حقیقت بدستور حقیقت رہتی ہے۔جس کے معنی یہ ہیں کہ خود اس میں سارے الوان(۵) اور سارے نہج(۶) موجود ہیں جس سے ہر رنگ کا لباس زیب زدہ ثابت ہو جاتا ہے جو درحقیقت خود اس کا رنگ ہوتا ہے۔البتہ حالات اور وقت کے تقاضے صرف اسے اجاگر کر دیتے ہیں۔
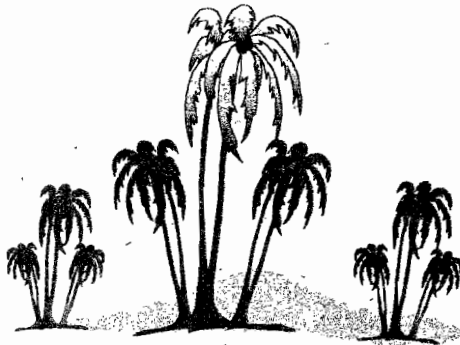
(۱)۔دور جدید (۲)۔استدلالی فلسفہ (۳)۔دلائل سے مطمئن (۴)۔ہر قسم کے (۵)۔رنگ (۶) طرز

آج کادور "سیاسی" اور "معاشی" اور مختلف نظریات کی سیاستوں اور معاشی فلسفوں کے غلبہ کا ہے۔مذہب بن رہے ہیں تو سیاسی و معاشی ،پارٹیاں بن رہی ہیں تو سیاسی ،مسائل پیدا ہورہے ہیں تو.....ان حالات میں جب تک کسی دینی مسئلہ کو سیاسی چاشنی کے ساتھ پیش نہ کیا جائے تو عوام کے لئے قابل التفات نہیں ہوتا۔اس لئے ضرورت ہے کہ ان مسائل کو حل کرنے کے لئے اسلام کو سیاسی اور معاشی رنگ کے دلائل سے پیش کیا جائے۔یہ سیاسی رنگ اسلام کے حق میں کوئی بیرونی رنگ نہ ہوگا بلکہ اسی کے اندر کا ہوگا۔حالات متحرک ہونگے تو انکے فکری اور طبعی قسم کے معاشی اور سیاسی پیکر اس تحریک سے نمایاں ہو کر اسلام ہی کی شکل ہونگے۔اگر اسلام کی سیاست اور اجتماعیت کے یہ اصول وقوانین نہ ہوتے تو صدیوں تک اس کی وہ مثالی حکومتیں دنیا میں نہ چل سکتیں جنہوں نے دین و دنیا کے ساتھ سیاسی حکمرانی کے فرائض بھی انجام دیئے آج بھی مسلم حکمرانوں کی بود و نمود (۱) اسی دور کی مستحکم فرمانروائیوں کے ثمرات ہیں جن میں کتاب وسنت اور تفقہ فی الدین" (۲) کے انوار شامل تھے۔البتہ آج کے غالب یا مغلوب مسلمانوں کی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے موجودہ دور کی حکومتوں کے نظریات تو اختیار کر لئے لیکن انکے عملی کارناموں سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔اگر قوم اپنے نظریات قائم رکھ کر آج کے عملی میدانوں میں دوڑتی تو آج بھی وہ ویسی ہی مثالی قوت وشوکت دکھلا سکتی تھی جواب سے پہلے دکھا چکی اور دنیا اس کی تقلید پر مجبور ہو جاتی نہ کہ قصہ برعکس ہوتا۔

---

(۱)۔موجودگی اور ظہور (۲)۔دینی شعور

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن کی دستیاب مطبوعات

- دین کے معاشی نظام میں محنت کی قدر و قیمت
- قرآنی اصول معاشیات
- اجتماعی مسائل کا ولی اللّٰہی حل
- شعوری تقاضے
- جدوجہد اور نوجوان
- اسلام کا اقتصادی نظام ایک تقابلی جائزہ
- ولی اللّٰہی تحریک
- امام شاہ عبدالعزیزؒ افکار اور خدمات
- نظام کیا ہے؟
- فرد اور اجتماعیت
- عبادت و خلافت
- حضرت مولانا محمد الیاس کا تصور دین
- غلبہ دین اور عبادات
- ثناء خداوندی
- جدوجہد آزادی کا راہنماء ادارہ
- دینی تمدن کی تشکیل نو
- استعماری مظالم اور ملی تقاضے
- شریعت، طریقت اور سیاست
- دین اور حکومت
- آزادی
- ولی اللّٰہی نظام فکر کی عصری اہمیت
- دین وحدت
- ولی اللّٰہی جماعت کا انقلابی کردار اور ہماری ذمہ داریاں
- آزاد قومی پالیسی کا خاکہ
- عزیمت (۱)
- عزیمت (۲)
- مولانا سندھیؒ کا ایک اہم مکتوب
- جہاد کیا ہے؟
- شاہ عبدالعزیز رائے پوری اور ان کے جانشین
- خانقاہ رائے پور
- عزیمت (۳)
- غلبہ دین اور اس کے اجتماعی تقاضے
- تقویٰ کیا ہے؟
- دین حق اور برصغیر کا سامراجی نظام تعلیم
- مولانا محمد الیاس دہلوی کا تصور دین
- عدم تشدد کی حکمت عملی (اسوۂ حسنہ کا ایک مطالعہ)